OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

سید انور علی شاہ کی مذہبی و صوفیانہ شاعری: ایک مطالعہ
A Study of Religious and Sufi Poetry of *Syed Anwar Ali Shāh*

Talib Hussain Khokar
M. Phil scholar, Department of Urdu, Shah Abdul Latif University, Khiarpur Sindh
Karam Ali
M. Phil Scholar, Department of Urdu, University of Karachi, Sindh

Abstract
Sufi Syed Anwar Ali Shah, born on 11 Muharamul Haram 1324 H at Village Jahan pur Sharif, Taluka Mirpur Mathelo District Ghotki, His father, s Name is Syed Khuda Bux Shah. The forefathers of Syed Anwar Ali Shah belonged to Arabia, then migrated to Punjab (Uch Sharif) and then to Balochistan and then to Sindh. Syed Anwar Ali Shah received his early religious education from his uncle Hafiz Syed Bahadur Ali shah and then from Molvi Mohammad Essa Noorani. Anwar Ali Shah received a little wordly knowledge in apparent but his spiritual and metaphysical knowledge is very thoughtful. Sufi Anwar Ali Shah composed poetry in many languages i, e Sindhi, Urdu, Siraiki, Balochi, Persian, Arabic, Hindi and Marwari. Syed Anwar Ali Shah, s mystic poetry is full of deep sense, wide message and a great insight and enlightenment. He is on the same path of Mansoori. Poerty of Syed Anwar Shah is message of unity, tolerance and co-existence. Nodoubt, the urdu poetry of Syed Anwar Ali Shah is replete with thought-provoking subjects, and metaphorical terms, which needs a very deep study and insight to understand. Syed Anwar Shah is a great Sufi saint, and his message in poetry is in line with same all sufis of world. This article peeps in deep to his Urdu poetry at wider length.

CC BY

Key Words: Spiritual knowledge, metaphorical terms, Sufi saint, tolerance and co-existence, Sufi Anwar Ali.

تمہید

سید انور علی شاہ کی ولادت باسعادت بروز بدھ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۶ء کو مخدوم سید خدا بخش شاہ کے گھر ضلع گھوٹکی تعلقہ میرپور ماتھیلو کے گاؤں جہانپور شریف میں ہوئی"۔ [1] جہانپور شریف قومی شاہراہ سے تقریباً ۴۰ کلو میٹر شمال کی طرف واقع ہے۔ سید انور علی شاہ کے اباؤ اجداد اصل عربستان کے رہنے والے تھے، جو صوبہ پنجاب کے شہر اوچ شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔ رُشد وہدایت کے سلسلے میں اوچ سے بلوچستان اور پھر سندھ میں داخل ہوئے۔ "آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام تقی علیہ السلام سے ملتا ہے" ۔ [2] سید انور علی شاہ ابھی چھوٹی عمر میں ہی تھے کہ اس کے والد محترم انتقال کر گئے، پھر اس کے چچا حافظ سید بہادر علی شاہ نے آپکی پرورش کی، جو اس وقت کے بڑے عالم دین تھے۔ سید انور علی شاہ نے مختصر دنیوی تعلیم حاصل کی پھر جہانپور شریف میں مولوی محمد عیسیٰ نوناری کے پاس قرآن پاک پڑھا۔ اور کم عرصے میں قرآن پاک پڑھ لیا۔ سید انور علی شاہ کی ظاہری تعلیم کم تھی مگر باطنی تعلیم قابلِ فکر تھی، جس کا اس کے کلام میں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ مختلف زبانیں بولتے تھے، سمجھتے تھے۔ انہوں نے مختلف زبانوں میں شاعری کی ہے۔ اردو، سندھی، ہندی، سرائیکی، بلوچی، فارسی، عربی، مارواڑی وغیرہ۔ اور وہ بھی عروض پر جس سے اس کی فنی مہارت واضع ہوتی ہے

سید انور علی اور اطنی عبادت

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد گاؤں کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور سید انور علی شاہ نفلی عبادت کے لیے مسجد میں رک گئے۔ نفل کی نیت کر کے جب سجدے میں گئے تو پھر سر نہ اٹھایا اور سویرے مؤذن نے جب آذان دی تو سید انور نے دوسری رکعت پوری کر کے سلام کے بعد مؤذن سے پوچھا کہ عشاء کی نماز کے بعد اب کون سی نماز کے لیے آذان دی ہے؟ مؤذن نے جواب دیا کہ صبح کی نماز کے لیے تب انور سائیں نے بات کو سمجھا کہ ظاہری نماز سالک کے لیے ہے اور وحدت کی وادی میں متغرق رہنے والوں کے لیے باطنی نماز کافی ہے۔ اس کے بعد آپ تنہائی پسند ہوگئے اور اکیلا رہنے لگے اب صرف جمع کی نماز میں آیا کرتے تھے"۔ [3] اس باطنی عبادت کے لیے انور سائیں اپنے رسالے میں فرماتے ہیں "انور نیتی قضا نہ کیتی۔ انا الحق انعام" انور سائیں تنہائی میں رہتے ہوئے ایسے مست خیال بن گئے تھے کہ بارہ سال تک جنگل میں جا کر گذارے اور بہت گہرا مشاہدا کیا۔ پھر کچھ عرصے کے لیے سالکی کی طرف لوٹ آئے۔ انور سائیں اپنے اکثر کام خود کرتے تھے۔ مثلاً لکڑیاں لانا، کاشت کرنا وغیرہ یہ سارے کام انہوں نے اپنے مرشد سائیں صاحبڈنہ شاہ سے سیکھے تھے۔

خوبصورتی پسند

انور سائیں خوبصورتی پسند تھے، اس میں مذکر اور مؤنث کا امتیاز نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی مسلمان اور ہندوں کا امتیاز رکھتے تھے۔ یہی بات اس کی خوبصورتی شناس ہونے کو واضع کرتی ہے۔ اس طرح وہ مجازی عشق سے حقیقی عشق کا اظہار کرتے رہے۔

جہانپور شریف میں ہندو مسلک کے لوگ بھی رہتے تھے۔ ان میں سے ایک نو عمر لڑکا شیون لال، جو بہت خوبصورت تھا، وہ انور سائیں کی خوبصورت شناسی کا مرکز رہا۔ مگر دوسرے افراد کو کچھ غلط بھی لگا، "ایک مرتبہ جب انور سائیں شیون لال سے ملنے مڑہی گئے تو ہندو لوگوں نے جن کے پہلے سے ہی کچھ غلط شک وشبہات تھے، انہوں نے باہر سے مڑہی کا دروازہ بند کر دیا۔ اور کافی تعداد میں لوگوں کو بلا کر حملہ کرنا چاہا، مگر جیسے ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہاں نہ انور سائیں تھا، نہ شیون لال، سب یہ منظر دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے۔" ۔ [4] اس واقعے کے بعد کافی ہندو انور سائیں کے معتقد ہو گئے۔ اب انور سائیں

ہندوؤں کی عبادت گاہ میں آزادانہ آیا جایا کرتے تھے۔ انور سائیں نے ۳۰ برس کے بعد کی عمر میں اپنے ہی بخاری خاندان میں سے شادی کی، جس سے اسے چار بیٹے ہوئے۔ جن میں سے دو بچپن میں ہی وفات پا گئے، باقی دو

(۱) فقیر سید حضور بخش شاہ (۲) فقیر سید خدا بخش شاہ (ثانی)

جو ان کی طرح باکمال شخصیت کے مالک تھے۔

فنی مہارت

انور سائیں نے اپنی شاعری میں ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور فنی حوالے سے باکمال رہے۔ مثلاً: غزل، کافی، دوہڑا، وائی، رباعی، مسدس، سی حرفی وغیرہ کو، اردو، سندھی، پنجابی، سرائیکی، عربی، فارسی، اور ہندی زبان میں کہا۔ "انور سائیں کے کلام میں محبت اور انسانیت کا پیغام ہے۔ ایک طرف انتظار، ہجر و وصال اور عشق کے جذبات ہیں اور دوسری طرف نصیحت اور اسلام کے تعارف کے راز ہمہ اوست اور بلند خیالی میں واضع کئے گئے ہیں۔ آپ کے کلام میں بہت روانی، بلاغت اور سلاست سمائی ہوئی ہے۔ آپ کا کلام ہر عام و خاص سن کر محظوض ہوتا ہے"۔ [5] آپ کے ہمعصر صوفی شعراء نے آپ کے کلام کی تعریف کی اور خراج تحسین پیش کیا۔ ان میں سے محمد فقیر کھٹیان، رکھیل شاہ، غمدل فقیر وغیرہ مشہور ہیں۔ "ایک موقعے پر غمدل نے آپ کے سامنے یہ شعر پڑھا کون ہے کہتا سنتا رے سادھو، کون ہے سنتا کہتا اس پر آپ نے فرمایا۔

کیا کچھ تم نے کریا رے جوگی، کیا کچھ تم نے کریا
ناتھ ساتھ سے بات نہ ملے، گرو گرنتھ پر کھات نہیں
کرلے اپنے آپ کی شیوا، دوجے کو کیا سر دھریا رے جوگی" [6]

وفات

سید انور سائیں ۵۵ سال کی عمر میں پنجاب کے شہر صادق آباد میں اپنے فقراء سے ملنے گئے تو وہاں ان کی طبیعت ناساز ہو گئی اور اپنے حقیقی مالک سے جا کر ملے۔ "آپ نے ۲۱ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ بمطابق ۵ جولائی ۱۹۶۱ء کو وصال فرمایا۔ ہر سال محرم الحرام کی تاریخ ۲۱، ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ کو آپ کا سالیانہ عرص درگاہ کے سجادہ نشین سید سخاوت حسین شاہ کی سرپرستی میں منایا جاتا ہے" [7] وصال کے بعد جب صادق آباد سے جہانپور لائے گئے تو ایک بادل جہانپور شریف تک اوپر برستا رہا۔ اور جب گاؤں کے قریب ایک نہر سے گذر ہوا تو نہر کا آدھا پانی اتر گیا۔ (راوی بشیر تعبیر سومرو) انور سائیں نے اپنی شعری تخلیقات میں اعلیٰ قسم کے نکات بیان کئے ہیں۔

حضور ﷺ کا تعارف

احد عبد احمد انوار میں ہوں
جبرائیل خادم، سردار میں ہوں [8]

مندرجہ بالا شعر میں انور سائیں رسول کریم ﷺ کا تعارف خود آپ ﷺ کی زبانی بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً: کسی نے رسول پاک ﷺ سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب: میں اپنی ذات میں واحد ہوں میرا نام احمد ہے، میں نُورِ کُل ہوں۔ حضرت جبرئیل میرا خادم ہے اور میں اُس کا سردار ہوں۔ حضور صہ کا تعارف کراتے ہوئے جو نکات انور سائیں بیان کرتے ہیں وہ ترنم کے ساتھ بیان کرنا عام بات نہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انور سائیں کو کسی کا تعارف کرانے میں کتنی مہارت ہے۔ اور خاص طور پر یہ جب وہ حضور ﷺ کا تعارف کراتے ہیں تو قابلِ تعریف ہیں۔ تعارف کی اس تخلیق کو دیکھ کر لفظوں کی تنظیم کا فن ذہن کو چھوتا ہے۔ اور اعلیٰ فنی مہارت بھی سامنے آتی ہے۔

منصور حلاج اور انا الحق کا نعرہ

منصور میخانے مخمور ہویا،
انا الحق اقرار اسرار میں ہوں[9]

اکثر اہل تصوّف حضرات نے اپنے کلام میں منصور کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ جس پر علماء حضرات نے "انا الحق کا نعرہ" لگانے پر کفر کا فتویٰ دے کر اُسے پھانسی چڑھا دیا تھا۔ در اصل جسے پھانسی پر لٹکایا گیا تھا وہ منصور نہیں بلکہ اُس کا بیٹا ابنِ منصور تھا، جس کا نام حسین تھا۔ حسین ابنِ منصور حلاج تھا۔ منصور کے والد کا نام محمّی تھا جو مذہبی لحاظ سے زرتشت یعنی آتش پرست تھا۔ وہ سرائے یعنی مہمان خانے کا کام کرتا تھا۔ منصور نے جب مذہب کا مطالعہ کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ مکہ اور عراق کے درمیان ایک علاقہ تھا، جسے دشتِ سُوس کہا جاتا تھا یہ وہاں سکونت پذیر تھے، منصور ریشم کے کیڑے پالا کرتا تھا اور ریشم کا کپڑا بُن کر اس کی تجارت کیا کرتا تھا۔ حلاج کے معنی کپڑا بُننے والا کے ہیں۔ حسین خود کو اپنے اصل نام حسین سے مشہور نہیں کیا کرتا تھا۔ صرف ابنِ منصور کہلواتا تھا۔ لوگوں نے جب اس کا سبب پوچھا تو حسین نے جواب دیا کہ جو اپنے نام کی پوری طرح لاج رکھے وہی وُہ نام کہلوائے۔ حسین دنیا میں ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ میرے لیے ابنِ منصور کہلوانا ہی کافی ہے۔ حسین بن منصور کا قصہ ۳۰۰ صدی ہجری کا ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ کسی کا نام لیتے وقت اس کو پورے نام سے نہیں بلکہ ادھورے نام سے بُلاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابن منصور کو ادھورے نام سے بلاتے بلاتے صرف منصور پر جا کر اِکتفا کیا۔ نیک روشن ہو کہ جہاں بھی منصور کا ذکر آئے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ حسین بن منصور کا ذکر ہے۔ منصور نے اپنے بیٹے کو ایک مسلمان کے ناتے مختلف مدارس میں حصول تعلیم کی خاطر داخل کروایا، مگر وہ کہیں بھی مطمئن نہ ہوا۔ اساتذہ کے لیے سراپا درد سری تھا۔ وہ عجیب و غریب سوالات کیا کرتا تھا۔ اساتذہ زِچ ہو کر اُسے مدرسوں سے نکال دیتے تھے۔ یہ ایک یگانہ مست درویش بن گیا۔ حضرت جنید بغدادی جیسے اس کے عالم فاضل اُستاد تھے۔ مولانا شبلیؒ جیسے عالم فاضل لوگ ابنِ منصور کے ہم سبق تھے، اپنے وقت کے مانے ہوئے عالم اور مست تھے۔ حال کے لحاظ سے شبلی کی حالت بھی ابنِ منصور سے کچھ کم نہ تھی۔ ایک گُدڑیا کے کونے میں ہاتھ ڈالے پس پشت گھسیٹتے پھرتے تھے۔ ایسی حالت میں بھی سب ہی عالم و علماءُ اُس کو بہت بڑا عالم اور صاحبِ فتویٰ تسلیم کرتے تھے۔ انور سائیں اپنی شاعری میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ منصور نے جو انا الحق کا نعرہ لگایا، وہ نعرہ میرا تھا مگر زبان حسین بن منصور کی تھی۔ دراصل میں ہی حسین بن منصور کے اندر بیٹھا تھا۔ انور سائیں اپنے دعوے پر قائم رہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منصور کو مدرسہ کے عشق نے بے خود بنایا تھا۔ مگر جب اس پر حقیقی اسرار منکشف ہونے لگے تو وہ بے خود ہو گیا۔ اور اس بے خودی کے عالم میں انا الحق کا نعرہ لگایا۔ انور سائیں کے خود کو اس نعرے سے منصوب کرنے کا مطلب ہے کہ ہماری منزل بھی منصوری ہے۔ یعنی منصور اور میں ہم دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔

انبیاءِ کرام اور زمان کا ذکر

کبھی عیسیٰ، کبھی موسیٰ، کبھی یونس، کبھی یوسف
کبھی مصر کی بازار میں بریاں کبھی کبھی[10]

قرآن شریف میں زمان ماضی کے حالات، زمان حال، وہ زمانہ جس میں رسول پاک ﷺ خود موجود تھے اور زمان مستقبل قیامت تک آنے والے واقعات سبھی کا ذکر موجود ہے۔

مندرجہ بالا شعر میں چار انبیاءِ کرام کا انور سائیں نے ذکر کیا ہے۔

اول:- حضرت عیسیٰؑ کو وقت کے حکام نے سولی پر چڑھا دیا۔

دوئم:- حضرت موسیٰ نے خدا کو دیدار کا سوال کیا "رَبِّ اَرِنی" اے رب مجھے دیدار کرا۔

جواب ملا "لَن تَرانِی" تم مجھے نہیں دیکھ سکتے!

سوئم:- حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا۔

چہارم:- حضرت یوسفؑ کو بازارِ مصر میں ساڑھے بارہ روپے میں بیچ دیا گیا۔

سائیں انور شاہ نے قرآن شریف کے چار واقعات یک لخت دو سطور میں بند کر دیے ہیں۔ تاکہ لوگ واقعات کو سُن کر عبرت حاصل کریں۔ خُدا وہ با اختیار ہستی ہے جو چاہے، وہ کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی جلوہءِ طور کو دیکھ کر خاک ہوگئے۔ اور پھر زندہ بھی ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ کو پھانسی لگی، اُسے چوتھے عرش پر زندہ اُٹھا لیا گیا۔ دنیا کے حسین ترین شخص حضرت یوسف علیہ السلام کو کوڑیوں کے دام بازار میں بیچ دیا گیا۔ بادشاہ عزیز کی بیوی نے بادشاہی کو ٹھکرا کر ایک غلام پر عاشق ہو گئی۔ حُسن کے ایک ہی جلوے میں زلیخہ کی سہیلیاں ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اس شعر میں انور سائیں خدا کی ہستی اور عظمت کا ذکر کیا ہے۔

آج دنیا کے بازاروں کو جو عروج حاصل ہے شاید اس لیے کہ ایک خوبصورتی کی علامت کبھی ان بازاروں کی زینت بنی تھی۔ اس لیے خوبصورت چیزیں بکتی ہیں اور بازاروں کی زینت قائم رہتی ہے۔ انور سائیں نے جس بلند خیالی سے ان چار انبیاء کے قصے کو ایک شعر میں بیان کیا ہے۔ وہ اس شعر کا تخلیقی معراج ہے اور اس شعر میں فنی پختگی بھی اعلیٰ قسم کی ہے۔

"قیامت میں میرے دل کو تیرا جمال ہے،
تم ہو انوار صحیح مجھے انوار نہیں"[11]

انور سائیں حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کر رہے ہیں کہ اے محبوبِ خُدا! جب قیامت کے دن مجھے آپکا دیدار ہو گا تو میں سراپا حُسن یعنی جمال بن جاؤنگا اور آپ کے نُور مقدس سے مُنورّ اور مُجلّا ہو جاؤنگا کیونکہ آپ سراپا جمال اور نورِ کُلّ ہیں۔ میں نہ نور حُسن کا دعویٰ کر سکتا ہوں اور نہ نُور ہونے کا۔ اس شعر میں انور سائیں نے رسول پاک ﷺ کے حُسن اور نور ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور لوگوں کو تلقین کی ہے کہ اگر عاشق ہونا ہے تو رسولِ پاک ﷺ پر عاشق ہو جاؤ اگر نُور حاصل کرنا ہے تو وہ بھی آپ ﷺ سے حاصل کرو۔ فانی چیزوں سے عشق نہ کرو۔ اس پر عاشق ہو جاؤ جو نورِ مجسم اور منبع حُسن ہے۔

قیامت، جمال نور وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو صدیوں سے استعمال ہوتے آئے ہیں مگر انور سائیں نے انکو محسن انسانیت سے منسوب کر کے ان میں گہرائی پیدا کر دی ہے۔ اور لفظوں کو بہترین معنوی حیثیت بھی عطا کر دی ہے۔ یہ لفظوں کی تنظیم انور سائیں کے بہترین صوفی شاعر ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

اہلِ تصوف اور ساقی و شرابِ

"مست ساقی کا شرابِ انا الحق منظور تھا
میں کہا منظور کیا میں بھی خود منصور تھا"[12]

اہل تصوف کا یہ عقیدہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہر روز کچہری لگتی ہے، جس میں جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ تو ہیں ہی، لیکن اِس جہاں میں جو لوگ جیتے ہیں اُن میں سے کچھ لوگ چُنیدہ لوگ ایسے ہیں جو روزانہ حُضور پاک ﷺ کی کچہری میں حاضر ہوتے ہیں۔ شراب کے معنی ہیں پینے کی کوئی مشروب، لیکن اہل فقر کے نزدیک شراب کے معنی نہ شربت ہے، نہ وسکی ہے، نہ پانی ہے، نہ آب حیات ہے اور نہ زم زم وغیرہ۔ درویشوں کے نزدیک یہ جو ہم دم بھرتے ہیں۔ سانس کا اندر باہر لانا اور نکالنا اِسے شراب کہتے ہیں۔ لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ جو سانس اندر جائے تو اُس میں اسم ربی سمایا ہوا ہو اور جب باہر نکلے تو بھی اسم ربی ساتھ ہو۔ ساقی کے عام معنی شراب پلانے والا ہوتا ہے۔ درویشوں کے ہاں وہ ساقی مُرشد ہوتا ہے۔ اَنَا الحق لفظ کے معنی ہیں "میں ذات ہوں" یا میں خُدا ہوں۔ میں حق ہوں / یا میں حقیقت ہوں۔ یہ نعرہ ابنِ منصور "حسین" سے منسوب ہے۔

مست ساقی کا شرابِ انا الحق منظور تھا

میں کہا منظور کیا، میں بھی خود منصور تھا۔

اس میں لفظ منظور استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے پوچھنا یا منشا معلوم کرنا، دوسرا مطلب ہے قبول کرنا۔ یہاں پر انور سائیں فرماتے ہیں کہ میرے مرشد نے مجھ سے پوچھا! کیا تمہیں اَنا الحق کا جام چاہیے جو اِبن منصور نے پیا تھا؟ جواباً میں نے کہا آپ منظور اور نامنظور کی بات کیا کرتے ہیں۔ میں بھی تو خود منصور ہوں۔ بھلا منصور اَنا الحَق کے پیالے سے کیونکر انکار کر سکتا ہے۔

اِبنِ منصور کو سُولی دیا جانا

اِبنِ منصور کو جب سُولی پر چڑھایا گیا تو آنکھ جھپکتے ہی اِبنِ منصور سولی سے صحیح سلامت آنیچے گرا اور جلاد سولی پر چڑھ گیا۔ مُلاؤں اور مفتیوں کے بڑے ہجوم میں سے جلادی کا فریضہ خود مُلا ادا کرتے رہے اور مرتے رہے۔ یہ دیکھ کر مُلا ششدر رہ گئے اور جا کر مولانا شبلی مست کو تلاش کر لائے اور اُس پر ڈیوٹی رکھی کہ تم حضور کی کچہری جانے والے ہو، ہمیں آپ ﷺ کی حاضری میں جا کر یہ مسئلہ حل کروادو۔ مولانا شبلی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر دیکھا کہ نبی علیہ السلام کی کچہری میں منصور پہلی صف میں بیٹھے تھے۔ شبلی نے ماجرا پیش کی حضور پاک ﷺ نے آنکھ کا اشارہ دیا۔ ابنِ منصور سر جھکا کر اُٹھے اور اگلے نمبر پر سولی چڑھ گئے۔ (راوی:۔سید حضور بخش شاہ)

واقعہ کربلا اور امام حسینؑ

"میدان میں سَر حُسین کا، نیزے اوپر پڑھتا کلام،
آپ کچھ سنتا نہیں خود خدا مجبور تھا"[13]

انور سائیں کے اس شعر کی مصرعِ اُولیٰ تو سیدھی سی ہے کہ سَر تَن سے جدا ہو کر بھی نیزے اوپر قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ یہ ایک معجزہ ہے اور معجزہ خُدا کی مرضی سے رونما ہوتا ہے۔ رہا سوال مصرع ثانی کا تو اس کے لئے ایک روایت ہے۔ وہ یہ کہ: ایک دفعہ نبی علیہ السّلام نے ایک بوتل حضرت بی بی فاطمۃ الزہریٰ کو دِکھلائی۔ جس میں خون رنگ کی مٹی پڑی ہوئی تھی آپ نے فرمایا "بیٹی یہ مٹی میدانِ کربلا کی ہے، اس خاک پر میرے اُمتی آپ کے فرزند حُسین علیہ السّلام کو شہید کر کے کربلا کی مٹی کو خُون رنگ کر دیں گے"۔

پاک بی بی نے فرمایا کہ "بابا آپ اپنے اُمتیوں سے کچھ بھی نہیں کہیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹی ہم نہیں ہونگے"۔

پھر بی بی صاحبہ نے فرمایا: "علی علیہ السلام بھی اُن کی مدد نہیں کریں گے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ بھی نہیں ہونگے"

آخر میں بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ "میں خود میدانِ کربلا میں جاؤنگی" جواب ملا: آپ بھی نہیں ہونگی۔

بی بی صاحبہ نے پوچھا: کیا خدا بھی مدد نہیں کریں گے؟ جواب ملا نہیں!۔

بی بی صاحبہ نے پوچھا کیوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا اِس لئے کہ حسین علیہ السلام، خُدا سے مدد ہی نہیں مانگے گے۔ حالانکہ خُدا تعالیٰ منتظر ہوں گے کہ امام صاحب مدد مانگے تو میں مدد کروں، لیکن حسینؑ مدد نہیں مانگیں گے۔ اس شعر کی مصرع ثانی کا مطلب یہی بنتا ہے کہ خدا مدد دینے کے لیے تیار اور مجبور ہے لیکن مدد لینے والی بات امام صاحب سنتے بھی نہیں، کئی حیلوں بہانوں سے امام صاحب کو ایسے پیغامات دئے گئے مگر اُنہوں نے مدد نہیں مانگی۔ امام حسینؑ مدد دینے والے تھے، مانگنے والے نہیں تھے۔ میدان کربلا کے عظیم معرکے کو چند لفظوں میں نظم، کرنا اور کچھ حقیقتوں کو بیان کرنا انور سائیں کی تخلیق کا کمال ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا تعارف

"کون ہے میرا ماتا پتا، ہم کسی کا جایا رے،
وحدہ' ہے نام ہمارا آپ دے وچ سمایا رے" [14]

تصوف کے لحاظ سے آدم اور اللہ الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں۔ ذات کے لحاظ سے اُن کے نام الگ الگ ہیں۔ ایک اللہ، دوسرا آدم۔ انور سائیں کے اس شعر میں ماتا اور پتا، ہندی زبان کے الفاظ ہیں، جس میں آدم کا تعارف خود آدمؑ کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ اوّل نبی اور اوّل اپنا تعارف یُوں بیان فرماتا ہے:-میری نہ کوئی ماں ہے جس نے مجھے جنا ہو (جنم دیا ہو)، میرا کوئی باپ نہیں ہے جس کے نُطفہ کی پیدائش ہوں۔ مجھے کسی نے جنم نہیں دیا۔ میرا نام ذاتِ حق (واحد) ہے۔ میرے اندر جو خاص چیز سمائی ہوئی ہے وہ روح جس کا ذکر قرآن شریف میں یوں آیا ہے۔"خَلَقْنَا الانسَانَ مِن طِين وَ صَلصَالٍ وَ حَماً مَسنون فَنَفَختُ فِيهِ مِن رُوحِی۔"ترجمہ: میں نے انسان کو گندھی ہوئی مٹی سڑے ہوئے غارے سے پیدا کیا۔ پھر میں نے اپنی روح میں سے اُس میں (روح) پھونکا۔ پھر ملائکہ سے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم کیا۔ شیطان (ابلیس) کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ جس طرح آدم لَم یَلِد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آدم کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے اُسے کسی نے جنم نہیں دیا۔ اُس کے اندر ذات واحد کی روح پھونکی ہوئی ہے۔ آدم کہتا ہے اس لئے میرا نام واحدہٗ ہے۔ قرآن شریف کی تحریر اور انور سائیں کے شعر کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا تعارف یہی ہے۔ آپ دے وچ سمایا سے مراد ہے جو اللہ نے اپنی روح سے آدم کے اندر پھونک دیا، اس لحاظ سے آدم جُزوِ خُداوندی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے آدم کا شجرہ اسی طرح بنتا ہے۔ اس شعر میں آدم کے جس نسب کو انور سائیں نے بیان کیا ہے، اس سے کافی حقیقتوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ اور انا الحق کا نعرہ بھی واضع ہو جاتا ہے، اور لفظوں کو ایسا روپ دینا اعلیٰ تخلیقی صلاحیت کی دلیل ہے۔ جس سے فکر کی پختگی واضع ہوتی ہے۔

اللہ اور روحوں کے درمیان معاہدہ

"آپ الست آواز الایم قالو بلیٰ نہ کہا یا رے،
کنف ہمارا سیر جو ہویا، آدم نام دھرایا رے" [15]

آدم اور اللہ کے درمیاں ایک خاص گفتگو ہوئی، جب یہ دنیا ظہور پذیر ہوئی۔ یہی بیان قرآن شریف میں موجود ہے۔
سب روحوں کو اللہ تعالیٰ نے حاضر فرما کر سوال کیا! اَلَستُ بِرَبِّکُم؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ روحوں نے جواب دیا قَالُو بَلیٰ! سب نے کہا (بلاشک) اس سوال اور جواب کا متن یہ بتا ہے کہ ایک اللہ اور روحوں کے درمیان میثاق یعنی مُعاہدہ تھا۔ خدا نے اپنی مالکی کا سوال پوچھا۔ روحوں نے (بلیٰ) ہاں کہہ کر اقرار کیا کہ آپ کا ہر حکم ہمیں بر سر چشم ہے۔ مزید انور سائیں فرماتے ہیں خُدا نے کُن کا حکم دیا، پھر فیکُون ہر چیز جہاں کے لیے بَن پڑی یہ کُن فیکون کا پورا رنگ میرا دیکھا ہوا ہے۔ اور میں نے اس کا سیر بھی کیا ہے اور اپنے اوپر آدم نام دھرایا ہے۔ آدم اور خُدا ایک دوسرے سے دور نہیں ہیں اور روح اور جسم کی طرح ایک ذات رہتے ہیں۔ آدم سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں۔ جن قرآنی حقیقتوں کو انور سائیں نے اپنے الفاظ میں منظم کیا ہے۔ ان سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، پھر اس ابتدائی (روحانی) حقیقت کو منظم طریقے سے ایک معاہدے سے منسوب کرنا اور لوگوں کو اپنا معاہدہ یاد دلانا، بہت بڑی دلیل ہے۔

نانک نام کہو میرا الوگو

"نانک نام کہو میرا الوگو، بندرابن بنایا رے،
میں ہوں تپشا، میں ہوں پوجا،
میں ہوں ٹھاکر ٹھایا رے" [16]

انور سائیں فرماتے ہیں کہ مجھے انور نہیں گرونانک کہو۔ گرونانک صاحب سکھوں کے پیشوا ہیں۔ ۹۰۰ ہجری مطابق ۱۵۰۰ء میں اس جہاں کو خیر آباد کہہ گئے۔ بندرابن نامی ایک سمندر کنارے جھنگل تھا۔ جس میں ہندوؤں کا پیشوا کرشن رہا کرتا تھا۔ انور سائیں فرماتے ہیں: فقیر سب مذہبوں کا معائنہ کر کے آیا ہے۔ رام رحیم دو نہیں ایک ہی ہے۔ یہ زبانوں کے لحاظ سے الگ الگ نام ہیں۔ خُدا کسی مقرر جگہ پر نہیں ہے۔ مسجد، مندر، چرچ، کلیسا ہر جگہ پر موجود ہے۔ یہاں پر فرماتے ہیں کہ بندرا جنگل بھی میرا بنایا ہوا ہے۔ ہم جس کی عبادت کرتے ہیں رُوئے زمیں پر موجود ہے۔ جب ایک دوسرے کے سامنے ہیں تو پھر پوجا یا عبادت کرنا کیسا!

عالم الارواح اور انسان

اب وہ عابد بھی خود ہے اور انسان بھی خود! ٹھاکر انسان کو بھی میں نے بنایا ہے۔ کیونکہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور سب روحانی زمانے میں اس کے ہونے اور اس کا حکم ماننے کا اقرار بھی کر چکے ہیں اور سب میں وہی روح موجود ہے جو آدم میں تھی، تو کون کس سے الگ ہوا؟ کوئی بھی نہیں، سب ایک ہیں۔ بس زندگی گذارنے کے عقیدے، بندگی کی طریقے الگ الگ ہیں۔ ورنہ کچھ بھی الگ نہیں۔ اس شعر میں انور سائیں کا تخلیقی عنصر انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یعنی عالم الارواح میں جا پہنچتا ہے۔ اور پیدا ہونے کی حقیقت تک چلا آتا ہے۔ بات یہاں پہ بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ عقیدوں اور مذہبوں کو بھی چھوتا ہوا ہمارے ذہنوں سے گذرتا ہے اور ہمیں دعوت فکر دیتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس لیے انور سائیں ہمیں پُر فکر اور اعلیٰ فنکار نظر آتے ہیں۔ جس کے ہر شعر میں فنی پختگی اور اعلیٰ افکار کے خزانے چھپے ہوئے ہیں، اور خیالوں کی اڑاں لامکان نظر آتی ہے۔

مذہب میں بہروپیوں کی چال واضح کرنا

"تلک لگا کر سادھو بننا، پوتھی پٹ پٹ پڑھنا رے،
گنگا، جمنا آون جاون، کوڑا ساتھ سمر نا رے"[17]

انور سائیں دکھاوے کے سادھوؤں کے مکر و فریب کی اداکاری کی نشان دہی کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں گے تو آپ کو پوشاک سے پورے پورے سادھو نظر آئینگے۔ مگر اندر سے کچھ اور بلائیں ہوتی ہیں، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بار بار پاک پوتھی کو کھول کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہیں۔ یہ پوری کارگذاری اور ہر سال گنگا سمرنا اشنان کا ہر دولو بھی مناتے ہیں۔ یہ سب کوڑا ساتھ سمر نارے کے معنی ہیں اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ انور سائیں نے مذہب میں بہروپیوں کی چال واضح کی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے بار بار پاک کتاب کا ورد کریں گے۔ اور لوگوں پہ خدا کا خوف طاری کریں گے پھر اُسی خوف کو ختم کرنے کا دنیوی سامان بھی لیں گے، اور اپنی فتویٰ کے مطابق ہمیں اس خوف سے آزاد کر دیں گے۔ انور سائیں کے مطابق ایسے لوگوں کے لیے کچھ بھی بھلائی نہیں۔ وہ ایک عام عقیدت والے انسان سے بھی کم ہیں اور دھوکا دینے والوں میں سے ہیں۔ اور ظاہری پوشاک اور ظاہری عبادت کو لفظوں کے ذریعے بے فیض کر کے سمجھانا انور سائیں کی عقلی دلیل ہے۔ اور تخلیقی کمال ہے۔ ایسے سادھو ہر مذہب میں موجود ہیں اور سب کا منشور ایک ہی ہے، اور انور سائیں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ وہ پہلے اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ وہ تمام مذاہب سے واقف ہیں۔

نمونہ کلام: ۱۔

کیا کچھ تم نے کر یارے جوگی، کیا کچھ تم نے کریا۔

ناتھ ساتھ سے بات نہ ملے، گرو گرنتھ پر گات نہیں،
کر لے اپنی آپ کی شیوا، دوجے کو سک کیا دھریارے جوگی۔
دوکھ سوکھ سب انتریامی، کیا ہنگلاج کون تھا سامی،

کون ہے کرشن کون ہے برہما، کون اوتار اُتریارے جوگی۔
گگن گیان گوہر گن گوبند، بھجن بھجن ہر ہر دے بند،
دیکھی دئبارا سیس ہمارا، ہر ہر نام ہر یارے جوگی۔
اَنا ال آکاش اذ نتار ہتا، کیا کچھ کھنتا کیا کچھ پنتا،
اُس میں "انور" کون دیکھے گا، دیکھو اپنا گھر یارے جوگی۔[18]

نمونہ کلام: ۲۔

مسجد میں آیا ساقی، مئخانہ بن گیا،
صراحی بن گئی ہے، پیمانہ بن گیا۔
جس جاء کو سارے عالم نے سجود کیا تھا،
وہ جاء شراب عشق کا آشیانہ بن گیا۔
بھر بھر کے ساغر مئے نوش پلایا،
ہر بجر میں وہ ہوشیار وہ مستانہ بن گیا۔
ایوان عشق کے جو آیا ہے سیر میں،
سردار عاشقوں کا آستانہ بن گیا۔
ہو گیا ہے تعجب ملائکوں کو اے "انور"،
اللہ کا عاشق الانسان بن گیا۔ [19]

نمونہ کلام: ۳۔

تمہارے عشق میں دلبر، میں ہوں دیوان تیرے در،
نہیں خواہش جنت کی، نہیں کعبے دُنارے کی،
ہوا تھا آب کوثر کا، گنگا آشنان تیرے در۔
تم ہی لیلیٰ میں مجنوں تھا، محبت میں پھنسا رہا،
کٹا کے سر ہمارا بھی، بَنا نیشان تیرے در۔
شمس تم ہو قمر تم ہو، شمع کا بھی تجلا تم،
بڑی محبت سے آکر، گرا پروان تیرے در۔
برہ تیرے میں میرا بھی، گیا ہے دین و ایمان،
نہیں پرواہ "انور" کو، میرا ایمان تیرے در۔[20]

نمونہ کلام: ۴۔

کر دو میری محبت کو بھرپور یا قلندر!
دکھا دو اپنا جلوہ، وہ نور یا قلندر!
ہر جگ میں تیری شاہی، میں ہوں تیرا سپاہی،
بخشش کرو گدائی، حضور یا قلندر!
تیرا وہ شاہ جہانِ، موسیٰ بھی اک انسان،

اس کا ہو انشان، کوہ طور یا قلندر!
پہاڑوں کیا بر میں، جھنگل کیا بحر میں،
ہر خلق ہو نظر میں، ظہور یا قلندر!
سولی پہ جب پکارا، تیرے نام کا اوتارا،
انا الحق کا نعرا، منصور یا قلندر!
صنعان کی سواری، کاکل کے در بہاری،
عطار کی نظاری، منظور یا قلندر!
طالب کو کیا خبر ہے، اک دید اک نظر ہے،
ساقی کا منتظر ہے، خمور یا قلندر!
بھر بھر کے دو جام بھی، تیرا انگاروں نام بھی،
ملکوں کو ہے انعام بھی، معمور یا قلندر!
سجدہ ہے تیرے در کو، کعبہ میں بے خبر کو،
عُقبیٰ کی سب نظر کو، کر دُور یا قلندر!
"انور" عجب اسرار کا، احوال جب اقرار کا،
ہو دائمہ دیدار کا، دستور یا قلندر![21]

References

[1] Faqeer Syed Ibādat 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo" Part*-Urdu (Sohbat 'Adbī Sangat Jahanpur, 2007AD), 60.
[2] Makhdoom Ṭālib al-Moula "*Dur e Nāyāb Yādgar-e-Raftagan*" (Sindhi Adbi Board Jamshoro 1992AD), 58.
[3] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 09.
[4] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 15.
[5] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 19.
[6] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 21.
[7] Mushtāq Gabol "*Sindh Je Soofiāni Shā'iry*" (Roshni Publication Kandiaro, 2017AD), 327.
[8] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 222.
[9] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 222.
[10] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 226.
[11] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 230.
[12] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 231.
[13] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 231.
[14] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 233.
[15] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 233.
[16] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 233.
[17] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 230.
[18] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 232.
[19] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 229.
[20] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 245.
[21] 'Alī Shāh *"Anwar Sain Jo Risalo"*, 228.